قبیلے کے لہجہ کو اپنانا باعث عار تھا۔ لیکن اس دور کا متداول ذخیرہ ادبی یکسران لہجاتی اختلافات سے مبرا ہے' ایسا ہونا غیر فطری امر ہے' لہٰذا اس دور کا تمام ذخیرہ ادبی منحول ہے جس کو عہد اسلام کے ادباء نے گھڑ کر عہد جاہلیت کی اشخاص کی طرف منسوب کر دیا ہے' (۲) وہ لکھتے ہیں :

واذن فما خطب هولاء الشعراء الجاهليين الذين ينسبون الى قحطان والذين كانت كثرتهم تنزل اليمن وكانت قلتهم من قبائل يقال انها قحطانيته قد هاجرت الى شمال؟ فما خطب هولاء الشعراء فما خطب فريق من الكهان والخطباء يضاف اليهم نثر و سجع وكلهم يتخذ لشعره ونثره اللغته العربيته الفصحى كما نراها في القران۔" (۳)

ان قحطان جاھلی شعراء کا کیا ہوگا جن کی اکثریت یمن میں رہائش پذیر تھی اور بہت کم قحطانی قبائل ایسے ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے شمال کی طرف ہجرت کی ہے' ان شعراء' کاھنوں اور خطیبوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن کی طرف نثر اور سجع منسوب کی جاتی ہے اور ان میں سے تمام لوگ اپنے اشعار اور نثر دونوں کے لیے ایک ایسی فصیح زبان اختیار کرتے ہیں جیسی ہم قرآن پاک میں دیکھتے ہیں۔؟

پھر اس کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

اما هولاء الناس كانوا يتكلمون لغتنا العربيته الفصحى؟ ففرض لا سبيل الى الوقوف عنده فيما يتصل بالعصر الجاهلي' فقد ظهر انهم كانوا يتكلمون لغته اخرى' او قل لغات اخرى' فيما يضاف اليهم من الشعراء والنثر في لغتنا الفصحى' كما يضاف الى عاد و ثمود طسم و جديس فمن اليهم من الشعر والنثر منحول متكلف لا سبيل الى قبوله او الاطمينان اليه۔" (۴)

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے کیا وہ ہماری فصیح عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے اگر فرض کریں کہ ان تک رسائی کا کوئی اور راستہ نہیں تب بھی جو کچھ عصر جاہلی کے بارے میں ہم تک پہنچا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کوئی اور زبان استعمال کرتے تھے یا یوں کہیئے کچھ اور زبانیں استعمال کرتے تھے' اور جو کچھ ان کی طرف شعر و نثر میں منسوب کیا گیا ہے اور وہ ہماری فصیح زبان میں ہے اس کی نسبت ایسے ہی ہے جیسے عاد' ثمود' طسم اور جدیس کی طرف شعر و نثر منسوب کیے گئے ہیں یعنی وہ منحول اور متکلف ہے جس کو قبول کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ قابل اطمینان ہے۔

طہ حسین نے اپنی کتاب فی الادب الجاھلی میں ایک اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ عربی جاھلی قبائل میں موجود مختلف لہجات کا اظہار ان کے ادب میں ہونا چاہیے تھا' خاص طور پر معلقات میں کیونکہ وہ قدیم جاھلی شاعری کے نمائندہ قصائد شمار کیے جاتے ہیں۔ جن میں بنو کندہ کے امرؤ القیس' بنو قیس کے زھیر بن ابی سلمی' نابغہ' عنترہ اور لبید اور بنی ربیعہ سے تعلق رکھنے والے عمرو بن کلثوم' طرفہ بن العبد اور حارث بن حلزہ کے قصائد شامل ہیں' میں یہ اختلاف نظر

کیوں نہیں آتا' ان کے نزدیک قابل تعجب امر یہ ہے کہ ان قصائد میں نہ تو لغت اور لہجہ کا فرق ہے اور نہ ہی فنی اور عروضی فرق کا اظہار ہوتا ہے۔ (۵) اس لیے وہ کہتے ہیں۔

"فنحن بین اثنین اما ان نومن باند لم یکن هناک اختلاف بین القبائل العربیته من عدنان و قحطان لا فی اللغته ولا فی اللهجته ولا فی مذهب الکلامی' واما ان نعترف بان هذا الشعر لم یصدر عن هذه القبائل وانما حمل علیها بعد الاسلام حملاً' فنحن الی الثانیته امیل (هنا الی الاولی فالبرهان القاطع قائم علی ان اختلاف اللغته واللهجته کان حقیقته واقعته بالقیاس الی عدنان و قحطان یعترف القدماء انفسهم بذلک کما رایت عمر و بن العلاء" -(۶)

اب ہمارے سامنے دو رائیں ہیں : یا تو ہم یہ یقین رکھیں کہ عدنانی اور قحطانی عربی قبائل میں لغتہ' لہجہ یا مذہب کلامی میں کوئی اختلاف موجود نہ تھا' یا ہم یہ اعتراف کریں کہ یہ شاعری ان سے صادر نہیں ہوئی اور یہ اسلام کے بعد ان پر منڈھ دی گئی ہے۔ اور ہم دوسری رائے کی طرف زیادہ مائل ہیں اور اس کی برھان قاطع یہ ہے کہ لغتہ اور لہجہ کا اختلاف ان میں امر واقعی تھا' قدماء بذات خود اس کا اعتراف کر چکے ہیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ابو عمرو بن العلاء نے کیا"

طہ حسین نے لغتہ فصحی کے سلسلے میں یہ نقطہ نظر اختیار کیا ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد جلد ہی ان عربوں نے اوزان شعر کا ایک مستحکم نظام قائم کیا اور ادب کی زبان کے طور پر اپنی زبان کے علاوہ دوسرے لہجوں کو بھی اختیار کر لیا تھا اور اسلام کے سبب لغتہ قریش کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگئی تھی اور طہ حسین کے نزدیک بعد ازاں لغت قریش کو شعر و ادب کی زبان کو اختیار کرنا باعث تعجب نہیں' کیونکہ اس وقت کوئی تمیمی یا قیسی شاعر' شعر کہتے ہوئے اپنے لہجہ کی بجائے قریش کے لہجہ کو اختیار کر لیتا تھا۔ (۷)

طہ حسین کا اختیار کردہ لہجات و لغات کے بارے میں یہ نقطہ نظر قدیم و جدید ماہرین السنتہ عربیتہ کے نزدیک کبھی بھی قابل قبول نہیں رہا کیونکہ وہ قبل اسلام کسی مشترک زبان کی موجودگی کے خلاف ہیں اور لغتہ فصحی میں موجود عربی ادب اور عہد جاہلیت کا تمام تر ذخیرہ ناقابل قبول اور منحول ہے لیکن جب تاریخی حقائق کی روشنی میں اس نقطہ نظر کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات نہ صرف اپنی معنویت ثابت نہیں کر سکتی بلکہ تحقیق کے میدان میں نئی نئی جہتوں کو بھی اجاگر کرتی ہے اور کئی دلچسپ حقائق سامنے آتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عہد جاہلیت میں عربوں میں بے شمار لہجات موجود تھے۔ مفسر طبری لکھتے ہیں :۔

"وان السنتهم کانت کثیرة کثیرة یعجز عن احصائها" (۸)

ان کی زبانیں اس کثرت سے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔

دور جدید کے محقق شوقی ضیف کا کہنا ہے :۔

فی العصر الجاهلی کانت هناک لهجات کثیرة تمیزت بها بعض القبائل و ظلت اثارها واضحته علی السنتها الی القرن الثانی للهجرة فسجلها اللغویون"- (۹)

عصر جاہلی میں وہاں لہجات کی کثرت تھی جن سے بعض قبائل کی پہچان تھی' اور ان کے بڑے واضح آثار ان قبائل میں دوسری صدی ہجری تک پائے گئے' اور ماہرین لغت نے انہیں محفوظ بھی کیا"-

شوقی ضیف کے اس بیان کے باجود کہ ماہرین لغتہ نے انہیں محفوظ بھی کیا لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ لہجات عرب کے اختلافات پر دور قدیم میں مستقل بالذات کتب تحریر نہیں کی گئی جن سے اختلاف کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے تاہم ابن الندیم نے الفہرست میں بعض مولفات کا ذکر کیا ہے جو مختلف نحویوں اور ماہرین لغت نے لغات اور لہجات کے اختلافات کے بارے میں تحریر کی تھی (۱۰) ان میں یونس بن حبیب (م ۱۸۳ھ) (۱۱) کی کتاب اللغات غالباً" یہی پہلی کتاب ہے جو اس موضوع پر تحریر کی گئی- اس کے علاوہ الاصمعی (۱۲) (م ۲۱۳ ھ) کی کتاب اللغات' ابو زید الانصاری (۱۳) (م ۲۱۵ھ) کی کتاب اللغات' ابو عمرو الشیبانی (۱۴) (م ۲۱۳ھ) کی کتاب اللغات ابن درید (۱۵) (م ۳۲۱ھ) کی کتاب اللغات اہم ہیں ان کے علاوہ کتاب المجرد الغریب اہم ہے اس کے مصنف کا نام ابوالحسن علی بن حسن الھنائی ہے- یہ خلیل بن احمد النحوی کی کتاب العین کی طرز پر تحریر کی گئی تھی- (۱۶) اس کے علاوہ عمر بن شبہ کی کتاب الاستعانہ بالشعروما جاء فی اللغات بھی اہم ہے-(۱۷) لیکن زمانہ کی ستم ظریفی کہ ان میں سے کوئی کتاب بھی متداول نہیں ہے- لیکن اس کے باوجود کتب لغت و نحو اور کتب نوادر' غریب لغات کے بارے میں تحریر کی گئی کتب میں ان لہجات پر روشنی ڈالی گئی ہے- ان کے علاوہ علماء اور خلفاء کی مجالس اور ایام العرب کے بارے میں تحریر کردہ کتب میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے- اس موضوع پر کتب کی تدوین نہ ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر جواد علی اپنی کتاب المفصل فی تاریخ العرب میں لکھتے ہیں :-

"وقد بنی سبب اهمالهم اللهجات الاخری' علی اعتقادهم انها لهجات رديئة فاسدة' وان اللغته الفصحی هی اللغته الوحيدة التی يجب حفظ قواعدها والغايته بها' لانها لغته القران الحكيم"- (۱۸)

دوسرے لہجات سے اغماض برتنے کا بنیادی سبب یہ اعتقاد تھا کہ یہ تمام لہجات ردی اور فاسد ہیں- اور فصیح لغت ہی وہ واحد لغت ہے جس کے قواعد کو بحسن و خوبی محفوظ کیا جانا چاہئے کیونکہ یہ قرآن کریم کی زبان ہے"-

تاہم قدماء میں سے احمد بن فارس نے الصاحبی فی فقہ اللغتہ اور جلال الدین السیوطی نے کتاب المزھر میں قدیم جاہلی عربی' لہجات اور ان کے اختلافات کو بیان کیا ہے- اس کے علاوہ دور جدید کے علماء میں سے ڈاکٹر جواد علی نے المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام میں بھی ان پر قلم اٹھایا ہے دور جدید کے علماء میں مصطفے صادق الرافعی اور بعض مستشرقین بھی پیش پیش ہیں-

الصاحبی کے مصنف نے اپنی کتاب میں اختلاف لغات العرب کے اسباب میں ایک مقالہ تحریر کیا ہے' جس سے ان لہجات میں پائے جانے والے اختلافات کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر جواد علی نے مواضع اختلاف کو اجمالا بیان کیا ہے' انہوں نے ان اختلافات کو اٹھارہ مختلف اقسام میں منقسم کیا ہے' جبکہ مصطفٰے صادق الرافعی انہیں پانچ بڑے اختلافات میں سمیٹ لیتے ہیں' ان کے بیان کردہ اختلافات کے تجزیہ سے عربی لہجات کی ماہیت اور اصلیت سامنے آ جاتی ہے جن کی روشنی میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے اعتراضات کے جوابات بخوبی سامنے آ جاتے ہیں' ان کی روشنی میں اگر صبحی الصالح کی کتاب دراسات فی فقہ اللغتہ' ابراہیم انیس کی اللہجات العربیتہ اور محمد الانطاکی کی الوجیز فی فقہ اللغتہ کا مطالعہ نئے نتائج تک رسائی میں مدد دیتا ہے۔ محمد الانطاکی تو ان اختلافات کو اللغتہ الفصحٰی کے اختلافات قرار دیتے ہیں۔ (۱۹) ان میں سے بعض اہم اختلافات کی تفصیل اس طرح ہے :۔

۱ - حرکات میں اختلافات : مثلاً" نَستعین' اور نِستعین الشَفع والوَتر' الشفع والوِتر' یعنی فتح اور کسرہ کا فرق ہے۔ نستعین۔ (ن کے فتح کے ساتھ) قریش کی لغت ہے اور وتر واو کا کسرہ بھی قریش کی لغت ہے جب کہ بنو تمیم اور بنو اسر کا لہجہ اس سے برعکس ہے۔

۲ - حرکت اور سکون میں اختلاف : مثلاً" معکم' معکم

۳ - ابدال الحروف : او لئک' اولاک

إنّ زیدا عن زیدا

مستھزؤن مستھزون

کشطت قشطت

۴ - حروف کی تقدیم و تاخیر: مثلاً" صاعقۃ' صاقعہ

۵ - حروف صحیح کا معتل سے بدلنا: اما زید اور ایما زید

وکد توکیدا اور آکد توکیدا

۶ - اختلاف تذکیر و تانیث : ھذہ البقر' ھذا البقر

ھذہ النخل' ھذا النخل

۷ - اختلاف ادغام و غیر ادغام اغضض من صوتک

غض من صوتک

ولا تمنن تستکثر

ولا تمن تستکثر

۸ - اختلاف نحو و اعراب: ما زید قائم اور وما زید قائما

ان ھذین - ان ھذان

یا مرکم - یا مرکم

۹ - حرکات کلمہ میں اختلاف: الصداق، الصداق

الصدقۃ الصُدُقۃ

الشمال، الشمل، الشمال، الشیمل

۱۰ - جمع میں اختلاف: اسْریٰ، اساری

۱۱ - حرف کی تبدیلی: مجبور، مکبور

حجرٌ، حکر

۱۲ - لفظ سے دوسرے لفظ کا ابدال: سمک، حوت

العھن المنفوش

الصوف المنفوش ص (۲۰)

ان اختلافات پر دور قدیم کے علماء میں ابن سیدہ نے المخصص، اور ابن جنی نے اپنی کتاب الخصائص میں بھی روشنی ڈالی ہے۔

ابن فارس نے الصاحبی میں اور السیوطی نے المزھر میں عربوں کی بعض لغات مذمومہ کا ذکر بھی کیا ہے، ڈاکٹر جواد علی نے اپنی کتاب المفصل میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ان لغات و لہجات کا بنیادی وصف الفاظ کی ادائیگی میں مختلف قبائل کے انداز اور اسلوب کو نمایاں کرنا ہے ان میں سے چند اہم لہجات یہ ہیں۔

۱ - الکشکشہ	۲ - اللکسکۃ،	۳ - الفحفحہ
۴ - العجعجہ	۵ - العنعنۃ،	۶ - الاستنطاء
۷ - لختہ بھراء	۸ - القطعۃ	۹ - التلتلۃ الخلخانیۃ

۱۰ - الطمطمانیہ - (۲۱)

جاہلی عربی لہجات کے اختلافات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے مستشرقین نے بھی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ انہوں نے اثری اور حجری اکتشافات کی معلومات کی بنیاد پر لہجات کی ایک نئی تقسیم بیان کی ہے، ان کی تحقیقات کے نتائج اس نقطہ پر منتہی ہیں کہ قبل اسلام عربی زبان میں پائے جانے والے اختلافات ایک مرکزی زبان سے ہی وابستہ تھے۔ اور

اللغتہ الفصحی ہی اصل عربی زبان تھی' تاریخ کے ایک مسلسل عمل نے ایک عربی زبان کو پروان چڑھایا جو الفاظ' قواعد اور ادائیگی کے لحاظ سے ایک مشترک زبان میں ڈھلتے چلے گئے۔

مستشرقین کی' کی ہوئی تقسیم' لہجات کی جغرافیائی اور تاریخی تقسیم ہے۔ بعض نے شمال اور جنوب کے حوالے سے تقسیم کیا ہے اور بعض نے بائدہ اور باقیہ کے حوالے سے'(۲۲) ان کی تقسیم کے مطابق اہم لہجات یہ ہیں :۔

۱۔ اللھجتہ الثمودیتہ : اس زبان کا علم قوم ثمود کے حجری نقوش سے ملتا ہے۔ یہ لہجہ تحقیقات کی رو سے اللغتہ الفصحی سے قریب ہے چوتھی صدی عیسوی کے قریب ایک قبر سے ملنے والے بعض نقوش کی معلومات اس کی بنیاد ہیں۔(۲۳)

۲۔ اللھجتہ اللحیانیتہ : یہ بنو لحیان کے عرب قبائل کی زبان تھی جن کے آثار حجاز کے شمال میں ینبع اور ایلہ سے لے کر العلی اور جبیر تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور انہیں کی بنیاد پر بعدازاں مناذرہ اور غساسنہ کی ریاستیں قائم ہوئی تھیں۔ اس کا ذکر تاریخ اللغات السامیہ کے مصنف نفسون نے کیا ہے۔ اس زبان کے جو نقوش ملے ہیں ان میں الذال' الثاء' الغین اور الضاد' کے حروف شامل ہیں۔ ساری زبانوں میں سے صرف عربی زبان میں یہ حروف پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ افعل التفعیل اور علامتہ التنیہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو کہ عربی زبان کے خصائص میں سے ہے۔(۲۴)

۳۔ اللھجتہ الصفویتہ : دروز اور صفاۃ کے پہاڑوں میں پائے جانے والے کتبات اور نقوش کی وجہ سے مستشرقین نے اسے اللھجتہ الصفویتہ کا نام دیا ہے۔ ان آثار کا تعلق بھی تیسری صدی عیسوی سے ہے' اسے بھی اللغتہ الفصحی سے متعلق ہی قرار دیا گیا ہے' کیونکہ ان کتبات کے الفاظ اور کلمات فصیح عربی سے تعلق رکھتے ہیں' جن میں اسد' ولث (لیث) غزالی (غزال) ابل' جمل' بکر' مہر' مہرۃ' حمار' ضان ماعز' وعل' اللات' شامل ہیں لیکن ان کے ساتھ بعض آرامی اور نبطی الفاظ کا اختلاط بھی پایا جاتا ہے کیونکہ اس دور میں ان اقوام کے ساتھ اہل عرب کے روابط موجود تھے۔ (۲۵)

۴۔ اللھجتہ الجاھلیتہ : یہ اصطلاح بھی مستشرقین کی وضع کردہ ہے اس کا اطلاق ان کتبات اور نقوش پر ہوتا ہے جو ۳۲۸ھ اور ۵۶۸ء کے درمیان صفاۃ کے علاقے سے ملے ہیں ان میں سے اہم ترین اور مسلمانوں نے اس خطہ کے لوگوں کو ان سے آزادی دلائی۔(۲۶)

اس خطہ میں موجود عربی لہجات جو جنوبی عربی کے نام سے پکارے گئے ان میں باہم شدید تشابہہ پایا جاتا ہے دلچسپ امر یہ ہے کہ ان لہجات کا فصیح عربی سے کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ اور اس فرق کی حیثیت قریشی اور تمیمی لہجہ کے فرق کی سی ہے یا ایسا فرق قرار دیا جا سکتا ہے جیسا بنو اسد اور بنو ھذیل کے قبائل کے لہجات میں پایا جاتا ہے۔

مثال کے لیے ابرھۃ کے کے ۵۴۵ء کے وثیقہ کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو سدما رب کے بارے میں تحریر کیا گیا تھا اس کا جملہ ہے "کن لھو خلفتن و قسد" یعنی کان لہ خلیفتہ و قاسد" قاسد اللغتہ الجنوبیتہ میں قائد کے معنی میں بولا جاتا ہے۔(۲۷)

اللغتہ الفصحی :۔ اللغتہ الفصحی عربی زبان کا وہ لہجتہ تھاجو تمام اہل عرب کے درمیان ایک مشترک زبان کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور یہی وہ زبان تھی جس میں قرآن پاک نازل ہوا' جو قبل اسلام عربوں کے ادب کے اظہار کا ایک ذریعہ تھا۔ اس کے بارے میں شوقی ضیف لکھتے ہیں :۔

لیس من السھل تحدید الزمن الذی اتخذت فیہ لغتنا العربیتہ مشکلھا النھائی التی تصورہ الفصحی الجاھلیتہ و ھو مشکل کامل النضج سواء من حیث الاعراب والتصریف والاشتقاق .... (۲۸)

یہ کوئی آسان بات نہیں کہ ہم اس زمانے کا تعین کرسکیں جس میں ہماری اس عربی زبان اپنی وہ آخری صورت حاصل کی جو عہد جاہلیت کی اللغتہ الفصحی کی صورت میں ہمارے سامنے آئی یہ کامل اور پختہ شکل کتبہ امرؤالقیس بن عمرو ملک العرب کی قبر سے برآمد ہوا' اس کا تعلق ۳۲۸ء کے زمانے سے ہے۔ یہ ملوک حیرہ میں سے ایک بادشاہ تھا۔ جس کی سلطنت بادیتہ الشام تک پھیلی ہوئی تھی۔ جن نقوش کو پڑھا جا سکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا تعلق بھی فصیح عربی زبان سے ہے تحریر میں آرامی طریقہ کی پیروی کی گئی ہے' یعنی اعلام کے آخر میں واو کا اضافہ کرتے ہیں' نزرو' مزجو معدو' (نزار' مذحج' معد) اس کا سبب اس زمانہ میں آرامی ثقافت کے گہرے اثرات سے ہے۔ جن میں عمرو ابھی تک موجود ہے جس میں واؤ موجود ہے لیکن پڑھا نہیں جاتا۔ (۲۶)

۵ ۔ اللہجات العربیتہ الجنوبیتہ : جنوبی عربی کے اہم لہجات میں المعینیتہ' السبیتہ' القتبانیہ اور الحضرمیتہ وغیرہ شامل ہیں' لیکن ان میں اول الذکر دونوں زیادہ معروف ہیں۔ ان کی تاریخ کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلافات ہیں۔ اگرچہ معینی سلطنت قدیم ترین قرار دی گئی ہے۔ تاہم سبائی سلطنت کے اثرات دیرپا رہے ہیں۔ سبائی سلطنت نے طویل عرصہ تک یمن میں حکومت برقرار رکھی' بابل' آشوری' ایرانی اور یونانی حکومتیں بھی قائم ہوئیں لیکن ۳۷۵ء میں حبشیوں نے اس پر قبضہ کر لیا' لیکن اہل سباء نے حبشی قیادت کو تتر بتر کر دیا ان کا حکمران کرب تھا' اس کی اولاد نے چوتھی صدی میں یہودیت اختیار کرلی' یہ خاندان ۵۲۵ء میں حبشیوں سے مار کھا گیا۔ اہل حبشہ کی حکومت ۵۲۵ء سے ۵۷۰ء تک رہی بعدازاں ایرانی لشکر نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا میں ہمارے سامنے آتی ہے جس میں اعراب' اور قواعد تصریف اور اشتقاق مکمل ہو چکے تھے۔

اور محمد الانطائی کے مطابق اس میں خصوصی طور پر تمیم اور قریش کے لہجات کو فوقیت حاصل تھی۔ (۲۹) ڈاکٹر

جواد علی نے اللغتہ الفصحی کے ضمن میں بعض مستشرقین کے اقوال کو نقل کرکے ان کے نقطہ نظر کو باحسن پیش کیا ہے' نولڈیکی کی تاریخ القرآن کے حوالے سے اللغتہ الفصحی کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے کہ:

حجاز' نجد اور بادیہ کے دوسرے حصے جو وادی فرات تک پھیلے ہوئے تھے میں پائے جانے والے لہجات میں زیادہ اختلاف نہیں اور اللغتہ الفصحی میں یہ تمام لہجات شامل ہیں۔(۳۰)

جویدی کا نظریہ بھی نولڈیکی سے ملتا جلتا ہے' وہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ اہل نجد اور اس کے اردگرد میں بولے جانے والے لہجات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن وہ اسے ایک مستقل زبان قرار دینے کی بجائے اس کو بعض قبائل کی طرف منسوب لہجہ شمار نہیں کرتا۔(۳۱)

نلینو کا کہنا ہے کہ لغتہ فصحی نجدی لہجات میں پروان چڑھی اور اس کی تراش خراش مملکت کندہ میں ہوئی اور یہ تمام ادبی امور کی زبان قرار پائی' اہل کندہ اس لغت میں شعر کہتے تھے اور اسی میں شاعری کرنے پر اپنے شعراء کو ابھارتے تھے۔ پھر اس کا دائرہ معد کے قبائل تک پھیلتا چلا گیا۔ اس کے نظریہ کے مطابق چھٹی صدی عیسوی میں یہ زبان ترقی کے منازل طے کر رہی تھی اور بعدازاں یہ تمام حجاز کے جنوبی علاقوں جن میں مکہ' یثرب اور طائف شامل ہیں عمومی طور پر استعمال ہونے لگی' جبکہ مقامی لہجات بھی زیر استعمال رہے' اس کے مطابق اس زبان کی ترویج میں ملوک حیرہ اور غسانی شاہوں کا بھی بڑا حصہ ہے۔(۳۲)

بروکلمن کا کہنا ہے کہ: جاھلی شاعروں کی زبان کے بارے میں یہ کہنا تو ناممکن ہے کہ ادباء اور رواۃ نے لغات دارجہ کی بنیاد پر کوئی ادبی زبان وضع کر لی ہے۔ لیکن اس دور میں ایک ایسی ادبی زبان اور فنی زبان ضرور موجود تھی جو تمام لہجات پر حاوی تھی اور اس کے پروان چڑھانے میں تمام لہجات نے حصہ لیا تھا۔(۳۳)

اللغتہ الفصحی کی ترویج اور نشوونما میں ایک اہم حصہ مواسم حج کا بھی ہے جس کی طرف خزانۃ الادب کے مصنف اسماعیل البغدادی نے اپنی کتاب میں اس عنصر کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ان العرب کانوا فی جاھلیتھم یقول الرجل منھم الشعر فلا لیعباء بہ ولا ینشدہ احد حتی یاتی مکہ فی موسم الحج فیعرضہ علی اندیتہ قریش فان استحسنوا رویٰ' وکان فخرا لقائلہ و عاق رکن من ارکان الکعبتہ حتی ینظرء الیہ' وان لم لیستحسنوہ طرح۔(۳۴)

اہل عرب کے ایام جاہلیت میں اگر کوئی شخص شعر کہتا تو اس وقت تک اسے درخور اعتناء نہ سمجھا جاتا اور نہ ہی وہ خود اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتا جب تک کہ موسم حج میں مکہ اکر قریش کے صاحب علم و فضل لوگوں کی مجلس میں اسے پیش کرتا' اگر وہ اسے پسند کرتے تو وہ روایت کیا جاتا' اور وہ شاعر کے لیے باعث فخر ہوتا اور اسے کعبہ کے ارکان میں سے کسی رکن کے ساتھ لٹکا دیا جاتا تاکہ وہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ اور اگر وہ اسے ناپسند کرتے وہ رد

کر دیا جاتا۔

البغدادی نے ابو عمرو بن العلاء کی ایک روایت کو بھی نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں :-

"کانت العرب تجتمع فی کل عام و کانت تعرض اشعارها علی هذا الحی من قریش" (۳۵)

عرب ہر سال جمع ہوتے اور اپنے اشعار کو قریش کے قبیلے کے سامنے پیش کرتے تھے۔

ڈاکٹر جواد علی نے یہ کہہ کر ان بیانات کی تائید کی ہے کہ : قریش اپنے زمانے میں افصح العرب کہلاتے تھے اور وہی فصاحت کا خزانہ اور اس کا منبع سمجھے جاتے تھے پھر ان کے اردگرد اور اڑوس پڑوس کے قبائل فصاحت میں اتنے بلند پائے جاتے تھے۔ جتنے وہ ان کے قریب تھے اور جس قدر وہ ان سے دور تھے فصاحت سے دور سمجھے جاتے تھے۔ اور علماء لغت نے اسی دلیل کو بنیاد بنا کر اس لغت کو بطور معیار مستنبط کیا ہے۔(۳۶)

مصطفٰے صادق الرافعی بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قریش کی زبان افصح اللغات ہے لیکن ان کے نزدیک اس کا بنیادی سبب تمام اطراف سے اس خطہ کا عجمی بلاد سے دور ہونا ہے۔ اور وہ قبائل جو جغرافیائی طور پر عجم' روم اور حبشہ سے قریب تھے یا ان کی سیاسی اور انتظامی سیادت کو قبول کر چکے تھے۔ ان کی زبان پر اس کے اثرات موجود تھے۔(۳۷)

اگرچہ طہٰ حسین بھی اس بات کو اس حد تک تو تسلیم کرتے ہیں کہ قریش کی لغت کو دوسری لغات پر سیادت کا درجہ حاصل تھا لیکن ان کے نزدیک یہ صرف حجاز کی حدود کے اندر ہی حاصل تھا اور ان حدود سے باہر ایسا نہ تھا۔

وہ فی الادب الجاهلی میں لکھتے ہیں :

ان عربیة قریش هذه التی نزلت بها القران الکریم انما سادت قبیل الاسلام فلم تکن سیادتها تتجاوز الحجاز۔(۳۸)

ڈاکٹر شوقی ضیف بڑے قطعی انداز میں کہتے ہیں کہ :-

> شمالی عرب کے تمام علاقوں میں لغت فصحیٰ بخوبی سمجھی جاتی تھی اور شعراء اسے شعری زبان کے طور پر اختیار کرتے تھے۔ اس کے لیے برھان قاطع یہ دلیل ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی دعوت پر بڑی سرعت اور حسن و خوبی سے ساتھ لبیک کہا اور خود قرآن کریم کا اس لغت میں نازل ہونا ایک مسکت دلیل ہے کہ قریش کی زبان اپنے زمانے کی ایک ادبی زبان تھی۔ جس کے حصے میں سیادت آئی تھی۔(۳۹)

قدیم علماء کے ہاں بھی اسی رائے کو پذیرائی حاصل ہے۔ مثلاً" ابن فارس اپنی کتاب الصاحبی میں اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

اجمع علمائنا بکلام العرب والرواة لا شعارهم والعلماء بلغاتهم وایامهم ومحالتهم ان قریشا افصح

العرب واصفاهم لغته-(۴۰)

تمام اہل عرب کو ایک مشترک زبان پر جمع کرنے اور ایک زبان کے قیام میں مختلف عوامل نے حصہ لیا تھا ان میں سے ایک نہایت اہم عنصر جزیرۃ العرب میں لگنے والے مختلف تجارتی اسواق ہیں جن کی تعداد کم و بیش دس ہے' لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم عکاظ کا میلہ ہے- اس کی حیثیت صرف تجارتی نہیں بلکہ ایک ثقافتی میلہ تھا- تاج العروس کی اس عبارت سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ:

ان عکاظ سوق کانت تجتمع فیها قبائل العرب فیتعا کظون ای یتفاخرون ویتناشدون ما احد ثوا من الشعر ثم ینفرقون' وانهم یقیمون شهرا-(۴۱)

بازار عکاظ میں قبائل عرب جمع ہوتے اور باہم متعاکظ ہوتے یعنی فخر و شعر میں باہمی مقابلہ کرتے یعنی اپنی نئی شعری کاوشوں کو پیش کرتے اور ایک ماہ قیام کرکے واپس لوٹ جاتے- ابن قتیبہ نے اپنی کتاب الشعر والشعراء میں خنساء بنت عمرو کے حالات میں لکھا ہے-

کان النابغته تضرب له قبته حمراء من ادم بسوق عکاظ و تاتیه الشعراء فیتعرض علیه اشعارها-(۴۲)

نابغہ کے لیے سوق عطاظ میں ایک سرخ خیمہ لگایا جاتا تھا شعراء اس کے پاس آتے تھے اور ان کے اشعار اس کے سامنے پیش کیے جاتے تھے-

عہد جاہلیت کے شعراء کے کلام میں عکاظ کے علاوہ ذوالمجنہ کے میلے کا بھی تذکرہ ملتا ہے اس سے ان مقامات کی ثقافتی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے جن کے سبب عربی زبان کو فروغ حاصل ہوا تھا اللغتہ الفصحی کی ترویج اور نشوونما میں مملکت حیرہ کی خدمات نہایت اہم ہیں- یہ مملکت امرؤالقیس صاحب نص النمارہ (م ۳۲۸ء) کے عہد میں نجران تک پھیل چکی تھی- یہ ملوک حیرہ بھی عرب تھے- ان کا ایک مستحکم سیاسی اور عسکری نظام قائم تھا جس کے اثرات اندرون عرب کے قبائل تک پھیلے ہوئے تھے اہل قریش اور دوسرے قبائل عرب کے وفود اس دربار تک رسائی حاصل کرتے تھے ان کے پاس شعراء اپنے قصائد لے کر حاضر ہوتے تھے اور اس دربار سے انعام و اکرام پاتے تھے- بعض تاریخی روایات سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ شاہ حیرہ نعمان بن منذر اور اس کے خاندان کے پاس فحول شعراء کے دواوین موجود تھے-(۴۳)

شوقی ضیف نے ابن جنی کی الخصائص کے حوالے سے لکھا ہے کہ نعمان بن منذر (م ۶۰۲ء) کے حکم سے بعض شعرائے عرب کے اشعار نقل کیے گئے تھے- جن کو قصرابیض میں دفن کر دیا گیا تھا- اور المختار الثقفی (۶۸ھ) کو بتایا گیا کہ اس محل کے نیچے ایک خزانہ دفن ہے' اس کو کھودا گیا تو وہاں سے فحول شعراء کا کلام برآمد ہوا' اس روایت کو تھوڑے اختلاف کے ساتھ ابن سلام نے طبقات الشعراء میں بھی بیان کیا ہے اس کے علاوہ یاقوت الحموی نے معجم

البلدان میں القصر الابیض کے بیان میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔(۴۴)

حیرہ کی سلطنت کے منظم نظام مملکت میں مدارس کا ایک نظام موجود تھا جس میں عربی زبان کی باقاعدہ تدریس ہوتی تھی۔ اور ان کے ہاں دفتری نظام بھی موجود تھا جس میں عربی زبان کو مرکزی مقام حاصل تھا۔(۴۵)

دکتور جواد علی کہتے ہیں کہ حیرہ کی ریاست میں مدارس موجود تھے جن میں عربی زبان کی تدریس ہوتی تھی اہل انبار اور عین التمر کے باشندوں نے وہاں سے عربی زبان میں تعلیم حاصل کی تھی۔(۴۶)

دور جدید کی بعض تحقیقات کے مطابق اہل مکہ نے عربی کتابت کا فن اہل انبار اور اہل حیرہ سے ہی سیکھا تھا۔ جس کو قرآن کریم کی آمد اور جنگ بدر کے بعد فروغ حاصل ہوا تھا۔

کتابت کا فن لغوی فنون میں نہات اہمیت کا حامل ہے اور کتابت کا فن صدیوں کے مسلسل عمل اور ثقافتی اشتراک کا مظہر ہوتا ہے۔ لہٰذا قبل اسلام کے عربی رسم الخط سے بھی اللغۃ الفصحی اور اس کی جزیرہ العرب میں مرکزی مقام کا پتہ ملتا ہے۔

قدیم تاریخ کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو مزید انکشافات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ مثلاً" امرؤالقیس کی قبر کے کتبے میں موجود لغۃ (ال) کا ذکر موجود ہے۔ نقادان فن کے نزدیک اس سے مراد اللغۃ الفصحی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عکاظ کے میلے کے قیام سے کہیں پہلے وادی فرات کے عرب اللغۃ الفصحی کو اپنائے ہوئے تھے۔(۴۷)

ڈاکٹر طہ حسین نے ابو عمرو بن العلاء کے اس بیان کو دلیل قاطع کے طور پر اختیار کیا ہے کہ :

لسان حمیر واقاصی الیمن بلساننا ولا عربیتھم بعربیتنا۔(۴۸)

یعنی حمیر اور یمن کے دور دراز علاقوں کی زبان ہماری زبان ہے اور نہ ہی ان کی عربی ہماری عربی ہے۔

شوقی ضیف کے نزدیک یہ روایت بعض تاریخی واقعات کے معارض ہے مثلاً" تاریخ میں یمنی وفود کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن انہیں کبھی تکلم میں وقت پیش نہیں آتی۔ اور جب ایک انصاری صحابی معاذ بن جبل کو یمن بھیجا گیا تو انہیں اہل یمن کے ہاں زبان کی کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔(۴۹)

اس کے بعد شوقی ضیف کہتے ہیں:

ذلک ان لھجتہ قریش لم یبداء ذیو عھا و انتشارھا بین العرب فی الاسلام عن طریق القران الکریم ظن ذلک بعض الباحیشن فقد کانت ذائعتہ منتشرۃ بینھم منذ العصر الجا ھلی بل منذ اوائلہ۔(۵۰)

المرجع والمصادر

۱۔ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۱: ۱۳۶، لاہور ۱۹۴۷ء

۲ - ڈاکٹر طہ حسین، فی الادب الجاھلی ۹۴، مطبوعہ دارالمعارف مصر
۳ - نفس المصدر ۸۸
۴ - نفس المصدر ۸۹
۵ - نفس المصدر ۹۳ وما بعد
۶ - نفس المصدر ۹۴
۷ - نفس المصدر ۱۰۳
۸ - تفسیر الطبری ۱: ۹ مطبع بولاق۔
۹ - شوقی ضیف، العصر الجاھلی ص ۱۲۱ مطبوعہ دارالمعارف مصر (الطبعۃ السادسۃ)
۱۰ - ابن الندیم، ۶۹ الفہرست
۱۱ - نفس المصدر ص ۶۹
۱۲ - نفس المصدر ص ۸۷
۱۳ - نفس المصدر ص ۸۸
۱۴ - نفس المصدر ص ۹۷
۱۵ - نفس المصدر ص ۱۰۷
۱۶ - نفس المصدر ص ۱۳۰
۱۷ - نفس المصدر ص ۱۶۹
۱۸ - ڈاکٹر جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ج ۸ ص ۵۲۶، مطبوعہ دارالعلم للملایین بیروت الطبعۃ الثانیہ (۱۹۷۸ء)
۱۹ - محمد الاطاکی، الوجیز فی فقہ اللغۃ ص (۱۱۰ وما بعد) مطبوعہ مکتبہ دارالشروق بیروت (الطبعۃ الثالثۃ)
۲۰ - المفصل ۸: ۵۶۸
۲۱ - نفس المصدر ۸: ۵۷۰
۲۲ - الوجیز، ص ۱۰۱
۲۳ - نفس المصدر ص ۱۰۳
۲۴ - نفس المصدر ص ۱۰۴
۲۵ - نفس المصدر ص ۱۰۵

٢٦ - نفس المصدر ص ١٠٧
٢٧ - العصر الجاهلی ص ١٢١
٢٨ - نفس المصدر ص ١١٧
٢٩ - الوجیز ص ١٠٩
٣٠ - المفصل ص ٨ : ٦٢٦ نقلاً عن Noldeke' Geschichte des Koran.
٣١ - نفس المصدر ص ٨ : ٦٢٦
٣٢ - نفس المصدر ص ٨ : ٦٢٧
٣٣ - نفس المصدر بحوالہ تاریخ الادب العربی ١ : ٤٢
٣٤ - عبدالقادر بن عمر البغدادی' خزانۃ الادب ١ : ٨٧ مصر ١٩٧٩ء
٣٥ - نفس المصدر ١ : ٨٧
٣٦ - المفصل ص ٨ : ٦٣٢
٣٧ - مصطفٰے صادق الرافعی' آداب العرب ١ : ٢٥٩
٣٨ - طٰہ حسین' فی الادب الجاهلی ص ١٠٥
٣٩ - شوقی ضیف' العصر الجاهلی ص ١٣٤
٤٠ - احمد بن فارس الصاحبی فی فقہ اللغۃ ص ٥٣
٤١ - تاج العروس (عکظ)
٤٢ - ابن قتیبہ' الشعر والشعراء ١ : ٢٦١ مصر دار المعارف ١٣٨٧ھ
٤٣ - المفصل ج ٨ ص ٦٤٥
٤٤ - العصر الجاهلی ص ١٤١
٤٥ - المفصل ج ٨ ص ٦٤٥
٤٦ - نفس المصدر ج ٨ ص ٦٤٨
٤٧ - نفس المصدر ج ٨ ص ٦٤٧
٤٨ - ابن سلام' طبقات فحول الشعراء ص ١١
٤٩ - المفصل ج ٨ ص ٦٥٨
٥٠ - العصر الجاهلی ص ١٣٧